© rasailojaraid.com

(سید محمد یونس بخاری)

آغا جیؒ ...... ایک تاثراتی تحریر

کچھ لوگ تاریخی حوادث کی پیداوار ہوتے ہیں اور کچھ لوگ خود تاریخ بناتے ہیں۔ وہ حالات کے جبر کی تندو تیز موجوں کے سینے چیر کر اسے سنوارتے خونِ جگر دیکر اسے نکھارتے اور اجالتے ہیں۔ آغا عبدالکریم شورش کاشمیری اسی ثانی الذکر طبقۂ حسن آفریں سے تعلق رکھتے تھے برصغیر میں اپنے عہد کی تمام نادرۂ روزگار شخصیات سے ان کے قلبی اور ارادت مندانہ تعلقات تھے۔ وہ مولانا ظفر علی خان، مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ محمد انور شاہ کاشمیری، علامہ محمد اقبال، مولانا سید حسین احمد مدنی، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، علامہ سید سلیمان ندوی، جناب رشید احمد صدیقی، حضرت احسان دانش، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم وغیرہ ہم کے کمالات حسنہ کے براہ راست خوشہ چین تھے۔ خطابت، صحافت، ادب اور شاعری میں وہ ان لوگوں کو درجۂ استناد دیتے تھے۔ ان کی جبینِ نیاز ان حضراتِ عظمت پناہ کے سامنے ہمیشہ خم رہی۔ جن لوگوں نے آغا شورش کی خطابتی معرکہ آرائی کو بچشمِ خود ملاحظہ کیا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ ان کی زبان سے نکلا ہوا ایک ایک حرف استخلاصِ وطن دفاعِ وطن، تحفظ ختم نبوت اور دزدانِ نبوت کے تعاقب کی فکر انگیز ولولہ خیز اور عشقِ رسالت سے معمور و مسحور کیفیات سے مستنیر ہوتا تھا اس معاملے میں وہ کسی مصلحت کوشی کے قائل ہرگز نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تاریخ کے اوراق پر پوری توانائی کے ساتھ زندہ و تابندہ ہیں اور رہیں گے۔ راقم کو آغا جی کے ہفت روزہ چٹان میں کچھ عرصہ بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر کام کرنے کا موقع ملا۔ اظہر سہیل مرحوم مجھ سے پہلے وہاں موجود تھے۔ خواجہ صادق کاشمیری مرحوم کی رفاقت کا اپنا ہی لطف تھا مگر حضرت آغا کی ذاتِ گرامی سے جو کچھ حاصل ہوا وہ خاصے کی چیز ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی سرپرستی میں گذرے لمحات میرے لئے گراں قدر متاع ہے۔ ان کے ساتھ بہت سے جلسوں اور سیمینارز میں شرکت کا موقع ملا۔ تفصیلات کے لیے ایک دفتر درکار ہے، تاہم چند ایک واقعات کا اعادہ ضروری سمجھتا ہوں۔ جون ۱۹۷۱ء کی بات ہے گجرات کے تمبل چوک میں جلسہ عام تھا۔ مرحوم حافظ علامہ احسان الٰہی ظہیر مدینہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد میدانِ سیاست میں وارد ہو چکے تھے۔ وہ سٹیج پر آغا جی کے ساتھ دائیں طرف تشریف فرما تھے۔ مختلف رسمی کارروائیوں کے بعد علامہ صاحب کی باری آئی۔ وہ بڑی روانی سے گفتگو کر رہے تھے۔ وطنِ عزیز کی نظریاتی اساس کے تحفظ کے لیے قربانی و ایثار کے جذبات ابھار رہے تھے کہ ایک طرف سے نعرہ لگا "تاج و تختِ ختم نبوت" ہزارہا لوگوں کے جمِ غفیر نے بیک آواز کہا "زندہ باد" اس سے تقریر کا تسلسل متاثر ہوا تو علامہ [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کے سامنے لگاؤ جو ختم نبوت کے منکر ہوں۔ اس جلسے میں ضرورت نہیں۔ جلسہ میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی۔ یہ بات آغا جی کی غیرت وحمیت کے خلاف تھی۔ بجلی کی سرعت سے اٹھے مائیک پکڑلیا، چہرے کا رنگ متغیر، جذبات کی انتہا، بدن پر کپکپی مگر آواز پورے کڑکے کے ساتھ ابھری ''حضرات! سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جلسہ ہو، اس رسول کی سیرت پر کہ جس کے دم قدم سے ہم سب کو شرف ملا۔ جس کے دیار سند گوہر بار سے حافظ صاحب سند فراغ حاصل کر کے تشریف لائے ہیں۔ ان کی اس ودیعت کا شکرانہ تو اس طرح ادا کرنا چاہیئے کہ ہم ان کی عظمت و بزرگی، نبوت اور ختم نبوت کا نعرہ ہائے رستاخیز ہر گام پر بلند کرتے رہیں۔ مگر واحسرتا! یہاں تو معاملہ کچھ اور ہی ہو گیا۔ میں کہتا ہوں ختم نبوت کا نعرہ نہ لگے تو سیرتِ رسول بیان ہی نہیں ہو سکتی، نہ اس عقیدے کے بغیر سیرت مکمل ہو سکتی ہے اور نہ ہی دین و ایمان کی تکمیل ممکن ہے۔ نعرہ لگے گا، ضرور لگے گا، میں کہتا ہوں لگاؤ نعرہ ختم نبوت کا، اس زور سے لگاؤ یہ نعرہ کہ ربوہ کے راسپوٹین کو معلوم ہو جائے کہ محمد عربی کے غلام زندہ ہیں۔ وہ تمہارے تعاقب میں ہیں۔ یہ تعاقب اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مرتدین اعادہ اسلام نہ کر لیں۔ یا پھر انہیں غیر مسلم اقلیت قرار نہ دیا جائے۔ گجرات والو! میں نے کعبۃ اللہ کا غلاف پکڑ کر بیت اللہ شریف میں اپنے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ جب تک میری رگوں میں خون ہے اور جبتک میرے جسم میں جان ہے میں تیری توحید کے باغیوں اور تیرے حبیب صلی علیہ وسلم کی ختم نبوت کے دشمنوں پر تیرا ہی قہر و غضب بن کر نازل ہوتا رہوں گا۔ یاد رکھو یہ ختم نبوت کا نعرہ میری خوراک ہے اس کے بغیر میں کچھ نہیں، یہ کائنات کچھ نہیں۔

آغا جی خطیب شعلہ فشاں تو تھے ہی، ان کی شاعری بھی فصاحت و بلاغت اور ودیعتِ خداوندی کا بیش بہا نمونہ تھی۔ بلاشبہ وہ اپنے عہد کے قادر الکلام شاعر تھے۔ وہ بدیہہ گوئی کے ایسے نیر و تاباں تھے کہ جس کے سامنے کسی کا چراغ نہ جل سکا۔ انہیں خود بھی اس کیفیت کا بخوبی احساس تھا مگر وہ اسے عقیدۂ ختم نبوت کے ساتھ اپنی وابستگی وارفتگی اور دیوانہ وار فرزانگی کا اعجاز خاص سمجھتے تھے۔ ان کی ننانوے فیصد نظموں میں اس عقیدے کا اظہار پوری توانائی کے ساتھ موجود ہے جو ان کے عشقِ رسول کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

صفحۂ کونین سے حرف غلط ہو جاؤ گے
تم نے شورش کی اگر ختمِ نبوت سے دغا

ان کے کلام بلاغت میں کئی اشعار ایسے ہیں جو اسلام اور خود ان کی سرگذشت کا پورا پورا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

اونٹوں کے چرانے والوں نے اس شخص کی صحبت میں رہ کر
قیصر کے تبختر کو روندا کسریٰ کا گریباں چاک کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یثرب کے مسافر دیکھ کے چل ، یہ اس کے نقوش پاہی تو ہیں
تاریخ کے لالہ زاروں میں از غارِ حرا تا کرب و بلا

اپنی محبوبہ یعنی آزادی کو مخاطب کرنے کا انداز بے پناہ ملاحظہ کیجیئے۔

تو ہوا کے لالہ و گل میں آ ، تو ادائے سرو و سمن میں آ
میرے آفتاب کی روشنی تو کہاں ہے میرے چمن میں آ
میرے بیت شعر کی رونقیں ، تیری گفتگو پہ نثار ہوں
کبھی جلوہ زارِ خیال میں ، کبھی نغمہ ہائے سخن میں آ
تیرے گیسوؤں کی قسم مجھے ، تجھے گیسوؤں ہی کا واسطہ
مجھے ذوقِ دارو رسن بھی ہے ، تو لباسِ دارو رسن میں آ

جوش ملیح آبادی نے کہا تھا "شورش خیالات کا متلاشی نہیں بلکہ مضامین اس پر نازل ہوتے اور الفاظ ہاتھ باندھے اپنی باری کے منتظر ہوتے ہیں۔ اسے قدرت نے وہ صلاحیتیں عطا کی ہیں جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آئی ہیں وہ لفظوں کا چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا ہے"۔ فی الحقیقت ایسا ہی ہے۔ آغا شورش اپنے عہد کی خفی و جلی صداقتوں کے امین، خوش نوا و خوش خرام منافقوں کے لئے تیغ بے نیام ، ملکِ صحافت کا شخصِ اعظم، ادبیات عالی کا ایک متبحر عالم، جہد حریت میں بلند مقام، صفحۂ تاریخ کا چمکتا دمکتا نام، جہانِ عشقِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا شخصِ خوش کلام، جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا فدا کار غلام، جہان شعر و سخن کا نقشِ پر جمال، جس کی ہر ایک سانس میں تکبیر رب ذوالجلال۔

وہ کلام پاک سے فکر رسا لے کر مدۃ العمر جناب سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا پیامِ حیات افروز سناتے رہے۔ ان کے نزدیک یہ ایک ابدی سچائی ہے۔ اب اس کے برملا اظہار سے گریز پائی کفر و ضلالت ہے۔

وہ کہا کرتے تھے کہ زمانے کی قد آور ہستیوں نے اسی قیل و قال میں وقت گذارا ہے اگر یہ راستہ غلط ہوتا تو وہ کبھی اس کے راہی نہ بنتے "چٹان" پوری آب و تاب سے شائع ہوتا۔ اس میں فلمی یا نام نہاد ثقافتی اشتہارات نہیں ہوتے تھے۔ ایسی ویسی تمام آلائشوں سے پاک دینی، ادبی ، سیاسی ، سماجی ، اور نظریاتی مضامین اس کی زینت بنتے۔ ملا واحدی ، ڈاکٹر سید عبداللہ، مولانا محمد وارث کامل، ماسٹر تاج الدین انصاری اور کئی نابغۂ عصر شخصیات کے رشحات قلم اس میں شامل ہوتے۔ لوگ ہر ہفتے اس کی اشاعت کے منتظر رہتے یہ عجیب بات ہے کہ آجکل اخبارات فلمی اشتہارات کے بغیر زندہ رہنے کا تصور نہیں کر سکتے۔ میرے استفسار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر کہنے لگے کہ "اس بازار پر کتاب تو لکھی ہے مگر وہاں کے مذکر مونث کی تصاویر سے چٹان کے صفحات آلودہ نہیں کر سکتا یہ میرے بس میں نہیں ہے۔ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار پر حاضر ہو کر یہ عہد کیا تھا۔ اب تادم واپسیں ایسا کرنے کی جرأت نہیں۔ یہ میرا ایمان ہے کہ اس پرچے کا نکلنا دامانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر مشروط وابستگی کا مظہر ہے اور بس۔ آئندہ یہ سوال مت کرنا"۔ آغا شورش اپنے عہد میں اردو ادب کے محسنِ اعظم تھے "یارانِ تیز گام" بعض فکری و نظری تعصبات کے باعث انہیں ادیب یا انشاء پرداز تسلیم کرنے سے گریزاں رہے۔ دراصل ناٹے قد کے یہ لوگ اپنی درازقامتی کے لیے ان پر طعنہ زن رہتے مگر اپنی تحریر و تقریر میں آغا صاحب کی تراشیدہ تراکیب، اصطلاحات، استعارات، اشارات، کنایات، تشبیہات و تلمیحات دیدہ دلیری کے ساتھ استعمال کرتے۔ سب جانتے ہیں کہ شورش کے کلک معجز رقم اور خامۂ عنبر شمامہ سے ایسے ایسے گرانبہا جملے نکلے کہ اردو زبان ان پر ہمیشہ نازاں رہے گی، سیاسی مذہبی سماجی، فکاہی کوئی سا بھی موضوع ہو آغا نے انشاء پردازی کے وہ جوہر دکھائے کہ سبحان اللہ۔ ان کا ہر نثر پارہ دلی، لکھنؤ اور لاہور کی ثقافتوں کا حسین امتزاج لگتا ہے۔ پڑھنے لگو تو محسوس ہوتا ہے کہ اثمار جنت نظیر اپنی تمام تر شیرینیوں کے ساتھ حلق میں اتر رہے ہیں۔ قاری اور آغا کی تحریر ایک دوسرے میں جذب ہو جاتے ہیں۔

"پس دیوار زنداں" سے "شب جائے کہ من بودم" تک کوئی کتاب اٹھا لیجیے، یہ جادو سر چڑھ کر بولے گا کیوں نہ ہو ان کے پاس ایک ادیبِ شہیر و طنّاز قلم اور ایک خطیبِ آتش نوا کا لہجہ تھا جو بقول ان کے عقیدۂ ختم نبوت کا فیضان تھا اور کچھ نہیں۔ دیکھنے والے اگر دیدۂ دل سے دیکھیں تو یہ کھلا راز ایک بہت بڑی حقیقت کے روپ میں نظر آئے گا۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

(اگر چمگادڑ کی آنکھ دن میں نہیں دیکھ سکتی تو اس سورج کا کیا دوش)

اب وہ آوازِ وفا بند ہو چکی، ملت بیضا کا نگہدار خاموش ہو چکا، جہد حریت کا تابناک باب اختتام پزیر ہو چکا تحفظ ختم نبوت کا فدا کار رخصت ہو گیا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ابدی نیند سو گیا۔ سب کو معلوم ہے کسی شاعر ادیب اور صحافی کا جنازہ اس شان سے نہیں اٹھا۔ لوگ اس رخصتی پر بھی آتشِ حسد کا نخچیر ہوتے رہے۔ مگر آغا جی کی بات سچی ثابت ہو گئی۔

تاریخ میرے نام کی تعظیم کرے گی
تاریخ کے اوراق میں آئندہ رہوں گا

© rasailojaraid.com